تفسیر ثنائی میں عربی لغت سے استدلال اور تعیینِ معنی کا منہج - تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن☆

When Arabs intermixed with non-Arabs Arabic artistic taste decreased and lingual changes took place. Complications and difficulties emerged to understand the Holy Quran. Many words of the Holy Quran became unfamiliar. In this situation the need to refer to Arabic language felt with intensity. The Holy Quran due to its unique styles,eloquence and brevity has miraculous distinctive features. These peculiarities can not be opened without the skill and expertness in Arabic language.But language has secondary rank in the deduction of commandments from Quran. The right and positive pattern of premise of Arabic language is that which has accordance with following arrangements:1. Fixation of meaning by the Holy Quran. 2. Fixation of meaning by Hadith &Sunnah. 3. Fixation of meaning by context. 4. To keep in view precedents and resembling. 5.To consider and regard the meanings of the words which were in use at the occasion of divine revelation of Quran. 6.To take into consideration the distinction of actual meaning and metaphorical meaning. 7.To prefer the well-known,stronger and apparent meaning. 8.To prefer the religious terms and meaning of the words. Maulana Sanaullah Amartsari was a wellnown scholor of Muslims.He wrote many books for the the defence of Islam. He is also *Mufissir* of Quran. Positive patterns of premise of Arabic Language are applied in his publications.

قرآن مجید کا نزول چونکہ عربی زبان میں ہوا ہے۔ اس لیے تمام زمانوں میں مفسرین قرآن کی تفسیر میں عربی لغت سے استدلال کرتے رہے ہیں بالخصوص مشکلات القرآن اور نادر الاستعمال الفاظ کی تشریح و توضیح میں انہوں نے اپنی اپنی تفاسیر میں عربی لغت سے استدلال کیا تا کہ فہم قرآن و تفسیر میں قاری کو کوئی دقت محسوس نہ ہو۔ آیات قرآن کی تشریح و توضیح میں عربی لغت سے استدلال کا رجحان عہد صحابہ میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ شعر جاہلیت سے مختلف الفاظ کے معانی کی تعیین اور ان کا استعمال معلوم ہوتا ہے۔ تفسیر قرآن میں عربی لغت سے استدلال کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما زیادہ مشہور ہوئے ہیں۔ مشکلات القرآن اور غریب القرآن کے فہم کے لیے جاہلی شاعری کی طرف رجوع کو ابن عباس رضی اللہ عنہما ضروری سمجھتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے:

الشعر ديوان العرب فإذا خفى علينا الحرف من القرآن الذى أنزله الله بلغة العرب رجعنا إلى ديوانها فالتمسنا معرفة ذالك منه[1]

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ علومِ اسلامیہ، انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

''شعر عرب کا دیوان ہے جب قرآن، جس کو اللہ تعالیٰ نے لغت عرب میں نازل کیا ہے، کی کوئی بات ہم پر مخفی ہوتی ہے تو ہم عرب کے دیوان کی طرف رجوع کرتے ہیں جس سے ہمیں اس کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔''

مفردات قرآن اور آیات قرآنی کی تفسیر وتشریح میں کلام عرب سے استفادہ واستشہاد عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد بھی جاری رہا۔ ابوبکر ابن الانباری فرماتے ہیں:

قد جاء عن الصحابة والتابعين كثير الاحتجاج على غريب القرآن و مشكله بالشعر[۲]

''صحابہ اور تابعین کا غریب القرآن اور مشکلات القرآن میں شعر سے استشہاد واحتجاج کثرت سے ثابت ہے۔''

قدیم وجدید تمام مفسرین عربی لغت سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ قرآن مجید کی زبان عربی ہونے کی وجہ سے اس کی لغت سے استدلال بدیہی امر ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دور کے مفسرین نے عربی لغت سے استدلال کیا ہے۔ البتہ عربی لغت سے استدلال کے مظاہر کسی کے ہاں کم ہیں اور کسی کے ہاں زیادہ۔ لیکن اس سے مستغنی کوئی بھی مفسر نہیں ہو سکا، اور نہ ہو سکتا ہی تھا۔ مفسرین صحابہ اور تابعین نے استدلال باللغۃ کی بنیاد فراہم کی۔ مفسر ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) سے لے کر شاہ ولی اللہ (م ۱۷۶۴ء) تک اور شاہ ولی اللہ سے لے کر عصر حاضر تک تمام مفسرین کی تفاسیر میں عربی لغت سے استدلال کا پہلو موجود ہے۔ یہ پہلو تمام مکاتب فکر کی تفاسیر میں پایا جاتا ہے۔

ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ الفاظ قرآنی کے معانی کلام عرب کے مطابق لیے جانے چاہئیں۔[۳]

علامہ ابوبکر جصاص (م ۳۷۰ھ) نے بھی احکام القرآن میں عربی لغت سے استدلال کیا ہے۔[۴]

امام رازی (م ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں: قرآن کو لغت عرب کے مفاہیم کے خلاف محمول کرنا جائز نہیں۔[۵]

امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) بھی عربی لغت سے بکثرت استدلال کرتے ہیں۔[۶]

انوار التنزیل و اسرار التاویل میں امام بیضاوی (م ۶۸۵ھ) نے عربی لغت سے بہت سے استشہادات کیے ہیں۔[۷] بلکہ یہ تفسیر لغوی تفاسیر میں شمار کی جاتی ہے۔

تفسیر ابن جریر میں عربی لغت سے کیے جانے والے بہت سے استدلالات تفسیر ابن کثیر میں ملخصاً جمع ہو گئے ہیں۔ حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) بعض مواقع پر کسی لفظ کا ایک معنی اختیار کرتے ہیں تو یہ بتاتے ہیں کہ اس معنی کی تائید عربی لغت سے ہوتی ہے اور بسا اوقات جس شعر یا کلام عرب سے استدلال کرتے ہیں اسے لکھ کر اس سے استدلال کرتے ہیں۔[۸]

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) بھی اپنی تفاسیر میں عربی لغت سے استدلال کرتے ہیں۔ بالخصوص ان کی تفسیر قطف الازھار فی کشف الاسرار تو لغوی استدلالات واستشہادات سے مزین ہے۔[9]

ایک لفظ کے بہت سے معانی میں سے ایک معنی کے انتخاب اور غریب القرآن کے فہم کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ نے الفوز الکبیر میں لوگوں کی راہنمائی کی ہے۔[10]

نواب صدیق حسن خان قنوجی (م ۱۳۰۴ھ) اپنی تفاسیر بالخصوص اپنی عربی تفسیر فتح البیان میں عربی لغت سے بکثرت استدلال کرتے ہیں۔ آپ کے نزدیک بھی

تفسیر قرآن میں عربی لغت کی طرف رجوع کیا جانا ضروری ہے۔[11] آپ نے اپنی تفسیر نیل المرام میں بھی عربی لغت سے بہت سے مقامات پر استدلال کیا ہے۔[12]

مولانا عبدالحق حقانی (م ۱۳۳۵ھ) نے فتح المنان میں عربی لغت سے استدلال بھی کیا ہے اور سرسید کی عربی دانی اور لغت سے استدلال کی قلعی بھی کھولی ہے۔ مزید برآں ایمانیات اور شرعی اصطلاحات کا مفہوم بھی آپ نے لغت کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ مثلاً اثبات معجزات میں آپ نے لفظ اٰیۃ کے قرآنی نظائر پیش کر کے اس لفظ کا معنی متعین کیا ہے۔[13]

مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) کے نزدیک بھی قرآن مجید کو ہمیشہ ذوق عربیت اور محاورات عرب کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔[14]

مولانا مفتی محمد شفیع نے اپنی تفسیر میں بعض مقامات پر عربی لغت سے استدلال کیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

معمولی طور پر عربی زبان بولنے لکھنے کی قابلیت قرآن فہمی کے لیے کافی نہیں بلکہ اس میں اتنی مہارت اور واقفیت ضروری ہے جس سے قدیم عرب جاہلیت کے کلام کو پورا سمجھا جا سکے کیونکہ قرآن کریم اسی زبان اور انہی کے محاورات میں نازل ہوا ہے۔[15]

سید ابوالاعلی مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن میں لغت سے استدلال کے مظاہر موجود ہیں۔ آپ نے ان لوگوں کی خوب خبر لی ہے جو عربی زبان اور اس کے محاورات کو نظر انداز کر کے قرآن کی تفسیر کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں: قرآن معموں اور پہیلیوں کی زبان میں نازل نہیں ہوا بلکہ صاف اور عام فہم عربی مبین میں نازل ہوا ہے جس کو ایک عام عرب اپنی زبان کے معروف محاورے کے مطابق سمجھ سکے۔[16]

مولانا امین احسن اصلاحی اپنے آپ کو عربی لغت سے استدلال کے بہت بڑے داعی سمجھتے ہیں، بعض مقامات پر عربی لغت سے استدلال کی وجہ سے بہت اچھے علمی نکات موجود ہیں۔[17]

پیر محمد کرم شاہ ازہری نے بھی ضیاء القرآن میں بہت سے مقامات پر عربی لغت سے استدلال کیا ہے۔[18]

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

قرآن مجید کی اکثر تفاسیر میں عربی لغت سے حسنِ استدلال موجود ہے۔اس بنیاد پر مفسرین کرام نے بہت سے اسرار ورموز اور نکاتِ عجیبہ اور جواہراتِ ثمینہ بیان کئے ہیں جو یقیناً عربی لغت اور قرآن مجید میں گہرے غور وغوض کا ثمرہ ہیں۔

مولانا ثناءاللہ امرتسری کا عربی لغت سے اسلوبِ استدلال

مولانا ثناءاللہ امرتسری (م ۱۳۶۷ھ) اپنی تفاسیر میں عربی لغت سے استدلال کرتے ہیں۔آپ نے چار تفاسیر لکھی ہیں آپ کے نزدیک تفسیر کے صحیح ہونے کا معیار عربی لغت اور اس کے علوم ہیں۔[۱۹]

آپ نے اپنی تفاسیر (تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن، تفسیر ثنائی، بیان الفرقان علی علم البیان اور تفسیر بالرأی) میں عربی لغت پر بہت زیادہ اعتماد کیا ہے اور اپنے مخالفین آریاؤں، قادیانیوں، نیچریوں اور دیگر باطل فرقوں کے خلاف جابجا عربی لغت سے استدلال کرتے ہیں مثلاً حافظ عنایت اللہ وزیرآبادی نے قرآنی الفاظ فأماته الله کی تفسیر وجده مجنونا (اس کو مجنون پایا) سے کی ہے[۲۰] اس پر مولانا ثناءاللہ نے لکھا: یا للعجب من أين أخذ هذا المعنى الذى لا يساعده لغة ولا سياق "انتہائی حیرت ہے اس نے یہ معنی کہاں سے اخذ کیا کہ جس کی تائید لغت کرتی ہے نہ سیاق وسباق۔"[۲۱]

ملائکة کے وجود کو ثابت کرتے ہوئے اور سرسید احمد خان کی تغلیط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ اگر انصاف سے غور کریں اور قرآن کو اس طور سے پڑھیں جس طور سے عرب کے رہنے والے سیدھے سادے جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا تھا پڑھتے اور سمجھتے تھے۔انہیں کی لغت پر بھروسہ کریں تو مطلب بالکل صاف ہے اور اگر امنت باللہ کو بی بی آمنت کا بلا بتلادیں تو خیر۔ دیکھو تو کیسے صریح لفظوں میں فرشتوں کا ثبوت ملتا ہے۔اللہ عزوجل کا فرمان ہے:﴿جَاعِلِ الْمَلَآئِكَةِ رُسُلًا أُولِيْٓ أَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ﴾ (۳۵:۱) "خدا فرشتوں کو دو دو تین تین چار چار پروں والے رسول بناتا ہے اس سے زیادہ بھی جس قدر چاہے پیدا کردیتا ہے۔" سرسید اور ان کے اتباع بتلادیں اور ہماری معروضہ بالا گزارش کو زیر نظر رکھیں کہ ملائکہ کا رسول ہونا بلکہ پردار ہونا بھی ثابت ہے یا نہیں؟ اس پر بھی آپ بے پرکی اڑائیں تو اختیار۔"[۲۲]

رسول سے یہاں مراد "پیغام رساں" ہے۔

مولانا موصوف ارشاد باری تعالیٰ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾[۲۳] کا معنی پھر تخت پر بیٹھا یعنی

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ان پر حکمران ہوا' بیان کرنے کے بعد اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں: ''اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کے جو معنی ہم نے بیان کیے ہیں نئے نہیں۔ عربی محاورہ ہے کہ جب کوئی بادشاہ زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے اور رعیت پر فرمان شاہی جاری کرے تو کہا کرتے ہیں: استوی الملك علی العرش أو علی السریر یعنی بادشاہ حکمران ہوا۔ سلطان العلماء شیخ الاسلام ابو محمد عز الدین عبد العزیز بن عبد السلام جو چھٹی صدی ہجری میں مصر کے نامور علماء سے ہوئے ہیں اپنی کتاب الإشارة إلی الایجاز فی بعض المجاز میں لکھتے ہیں: استواءہ: وهو مجاز عن استیلاء علی ملکه تدبیره ایاه۔ شاعر کہتا ہے۔

قد استوی بشر علی العراق		من غیر سیف ودم مهراق

وهو مجاز التمثیل فإن الملوك یدبرون ممالکم إذا جلسوا علی اسرتهم **یعنی استوی علی العرش** کا جملہ مجاز ہے ان معنی میں کہ خدا سب چیزوں پر حکمران ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت اور اس جیسی اور آیات صفات کے متعلق ایک عام قانون بتایا ہے کہ ان کے لغوی معنی جاننے کا ہم کو حق حاصل ہے...... استواء کے معنی معلوم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جو تاویل اور تفسیر اس کی علماء راسخین جانتے ہیں یعنی لغوی اور لفظی ترجمہ وہ معلوم ہو سکتا ہے اور کیفیت مجہولہ سے وہ تاویل مراد ہے جو تمام بنی آدم سے مجہول ہے جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔''

امام ابن تیمیہ کا تفصیلی کلام نقل کرنے کے بعد مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

''شیخ ممدوح نے اس کلام میں مؤولین اور مفوضین میں مصالحت کرائی ہے اور ان کے دو مختلف طریقوں میں تطبیق دی ہے یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ اس قسم کی آیات کے معنی معلوم ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ لغوی معنی ہم کو معلوم ہیں اور جو کہتے ہیں کہ ان کے معنی اللہ ہی جانتا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ ان لغوی معنی کی حقیقت خدا کو معلوم ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کی کیفیت ہم کو معلوم نہیں۔''[۲۴]

مولانا ثناء اللہ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن کے مقدمہ میں ما معیار صحة التفسیر؟ (تفسیر کے صحیح ہونے کا معیار کیا ہے؟) کا عنوان قائم کرنے کے بعد ایک ذیلی عنوان العربیة وعلومها قائم کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی چار آیات جن میں قرآن کے عربی ہونے کا ذکر ہے، لکھنے کے بعد لکھتے ہیں: الآیات تدل بأعلی النداء علی أن صحة تفسیر القران موقوفة علی الموافقة للعربیة (یہ آیات بانگ دہل اعلان کرتی ہیں کہ قرآن کی تفسیر کا صحیح ہونا عربی زبان سے مطابقت وموافقت پر موقوف ہے) اس کے بعد انہوں

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

نے امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان کہ 'اشعار جاہلیت عرب کا دیوان ہیں' ذکر کرتے ہیں۔ پھر امام رازی، ابن جریر، امام مجاہد، امام مالک، شاہ ولی اللہ اور نواب صدیق حسن خان کے عربی لغت سے تفسیر کے بارے میں اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہی وجہ ہے کہ آپ بڑے بڑے علماء کو دیکھتے ہیں کہ وہ عربی لغت سے استشہاد کرتے ہیں بلکہ اپنے مخالفین پر عربی لغت سے استدلال کرتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ اور ابن قیم کے عربی لغت سے استدلال کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ان کبار علماء نے جس چیز کی صراحت کی ہے اس میں آپ غور وفکر کریں جلد بازی سے کام نہ لیں۔[۲۵]

آپ لکھتے ہیں: جن کو شرعی منقولات کہتے ہیں جیسے نماز اور زکوٰۃ ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے صلاۃ اور زکوٰۃ شرعی اصطلاح میں لغوی معنی سے مختلف ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی لغوی معانی کا ہی ایک حصہ ہیں۔[۲۶]

قرآن سے لفظ کے معنی ومفہوم کا تعین

عربی زبان کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ اس کے بہت سے الفاظ کثیر المعانی ہیں۔ کثرت مترادفات اور وقوع اضداد کے سبب معنی کا تعین اتنا آسان معاملہ نہیں۔ قرآنی لفظ کے معنی ومراد کی تعیین کے لیے قرآن مجید سے بہت زیادہ مدد ملتی ہے اسی لیے مفسرین تعیینِ معنی کے لیے سب سے پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری سورہ یوسف کی آیت ﴿وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ عَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾[۲۷] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ''یعقوب علیہ السلام نے اپنے ذکر کے لیے ﴿وَ عَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ کا لفظ استعمال فرمایا۔ یاد رکھنے کی یہ بات ہے کہ آل الرجل میں خود وہ شخص بھی شامل ہوا کرتا ہے۔ آیت: ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ (ھود ۱۱: ۷۳) پر غور کرو۔ یہ جواب اگرچہ سارہ کو دیا گیا تھا مگر اس قاعدے سے کہ لفظ اہل بیت میں خود ابراہیم علیہ السلام بھی شامل تھے۔ علیکم میں ضمیر مذکر کا استعمال کیا گیا۔''[۲۸]

تفاسیر مانحن فیہا کی روشنی میں قرآن سے معنی ومفہوم کے تعین کی تفصیل علیحدہ علیحدہ درج ذیل ہے:

مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر ثنائی میں بہت سے مقامات پر قرآنی لفظ کے معنی ومفہوم کو قرآن مجید سے ہی متعین کیا ہے۔ اس سلسلے کے چند الفاظ اور آیات درجِ ذیل ہیں:

﴿وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾[۲۹] میں مسحورا سے مولانا نے ''راہ سے ہٹا ہوا'' مراد لیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

> ''اس آیت کا ترجمہ طبع اول کے وقت ''جادو کیا گیا'' لکھا تھا۔ اس کے بعد لغت کی کتاب منتہی

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

الارب پر نظر پڑی تو اس میں دیکھا کہ مسحور کے معنی ''برگردانیدہ شدہ از حق'' بھی لکھے ہیں چونکہ قرینہ اور شہادت قرآنیہ ﴿فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ﴾ (المؤمنون ۲۳ : ۸۹) سے یہ معنی راجح معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے طبع ثانی میں یہی پسند کیے گئے ہیں۔''[۳۰]

مسحورا کے معنی کی تائید وترجیح ﴿فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ﴾ سے کی گئی ہے۔ دوسری آیت کریمہ ﴿اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾[۳۱] میں مسحورا کا ترجمہ مولانا نے مخبوط الحواس کیا ہے لکھتے ہیں:

''مسحور سے مراد مخبوط الحواس ہے نہ کہ جادو شدہ کیونکہ دوسری آیت میں ﴿اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ﴾ (سبا ۳۴:۸) یہ کفار کا قول ہے یعنی آنحضرت ﷺ کی طرف جنوں کو منسوب کیا ہے۔ ان دونوں آیتوں کے ملانے سے ثابت ہوا کہ مسحور سے مراد مخبوط الحواس ہے۔ پس جس حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر جادو کیا گیا تھا وہ اس آیت کے برخلاف نہیں فافہم۔''[۳۲]

﴿تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ﴾[۳۳] ''آتش دوزخ ان کے بدنوں کو جھلستی ہوگی'' کی تفسیر میں موصوف مفسر لکھتے ہیں:

''وجوہ سے مراد صرف منہ ہی نہیں بلکہ تمام بدن ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ﴾ (۴:۵۶)''[۳۴]

وجہ کا لفظ قرآن مجید میں دیگر مقامات پر بھی پوری ذات وشخصیت کے لیے استعمال ہوا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ میں ہے:

(i) ﴿کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾[۳۵] ''اللہ کے سوا سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں۔''

(ii) ﴿کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ﴾[۳۶] ''جتنی مخلوق اس زمین پر ہے سب فنا ہو جائے گی اور تمہارے پروردگار کی ذات باجلال باعزت باقی رہے گی۔''

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَاَلْقُوْهُ فِی الْجَحِیْمِ﴾[۳۷] ''پس اس کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو'' کی تفسیر میں مولانا لکھتے ہیں:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ کے متعلق آج کل موشگافیاں ہو رہی ہیں اس لیے پہلے قرآن مجید کے الفاظ پر غور کرنا چاہیے کہ اصل الفاظ سے آگ کا سرد ہونا ثابت ہے یا نہیں۔ اس تحقیق کے لیے ہمارے خیال میں دو لفظوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اول یہ کہ پروردگار نے فرمایا ہے:

﴿یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا﴾ (۲۱:۶۹) اس میں کُوْنِیْ مونث مخاطب کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ ہے:

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

"اے آگ! سرد ہوجا!" آگ کو سرد ہونے کی بابت کن کے لفظ سے حکم دیا ہے۔ ایک اور مقام پر عام قاعدہ کے طور پر ارشاد ہے: ﴿اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾ (۸۲:۳۶) یعنی خدا جب کسی کام کو چاہتا ہے تو اس کو کُنْ کہتا ہے پس وہ ہوجاتا ہے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جس چیز کو کن کے لفظ سے حکم ہو حکم ہوتے ہی وہ چیز پیدا ہوجاتی ہے۔ اس عام قانون کو ملحوظ رکھ کر جب ابراہیمی نار پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں یقین ہوجاتا ہے کہ ابراہیمی آگ ضرور سرد ہوئی ہوگی ورنہ کن سے مکون کا تخلف لازم آئے گا۔"[۳۸]

مفسر مرحوم نے کُوْنِیْ کی ماہیت اور استعمال کو دوسری قرآنی آیت سے واضح کیا ہے۔

مسئلہ بشریت رسل علیہم السلام کے بارے میں قرآن مجید میں کئی آیات موجود ہیں۔ ایک مقام پر ہے: ﴿فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا﴾[۳۹] "تو انہوں نے کہا: کیا بشر ہماری رہنمائی کریں گے پس وہ منکر ہوگئے" بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہنا کفر ہے، مولانا لکھتے ہیں:

"اس دعویٰ پر یہ آیت دلیل لاتے ہیں: کہتے ہیں دیکھو اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولوں کو بشر کہنے والے کافر ہوئے تھے لہٰذا رسولوں کو خاص کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہنا کفر ہے۔ حالانکہ آیت کے سیاق سے ثابت ہوتا ہے کہ محض بشر کہنے سے کافر نہیں ہوئے بلکہ بشر ہونے کی وجہ سے ان کی رسالت سے انکار کرنے پر کافر ہوئے تھے۔ ثبوت قطعی اس کا یہ ہے کہ ایک مقام پر کفار کا قول یوں ذکر ہے: ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ (۱۴:۱۰) "تم رسول ہماری طرح کے بشر ہو ہم کو ہمارے باپ دادا کے معبودوں سے ہٹاتے ہو" ان کے جواب میں حضرات انبیاء علیہم السلام کا قول یوں مذکور ہے: ﴿اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ (۱۴:۱۱) (بے شک ہم تمہاری طرح بشر ہیں مگر خدا جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے)۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بشریت محل اختلاف اور باعث نزاع نہ تھی بلکہ بشریت کے ہوتے ہوئے رسالت زیر بحث تھی۔ نبیوں نے اپنی بشریت کا اعتراف کرکے رسالت کو فضل الٰہی کی صورت میں پیش کیا جس سے معلوم ہوا رسولوں کو بشر کہنا کفر نہیں بلکہ عین ایمان ہے۔"[۴۰]

آیت قرآنی ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾[۴۱] "تم نہیں چاہتے مگر جس وقت خدا چاہے" کے ظاہری الفاظ اور دیگر اس قسم آیات سے ایک اشکال بظاہر پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی مشیت سے کام ہوتے ہیں یہاں تک کہ ایمان بھی اسی کی مشیت سے حاصل ہوتا ہے تو پھر جو ایمان نہ لائیں یا نیک کام کی خواہش

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

نہیں کرتے ان کا قصور کیا؟ مولانا موصوف قرآن مجید سے اس کا صحیح مفہوم متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قرآن مجید پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیت انسان اور مشیت خدا اور صدور فعل میں ایک سلسلہ نظام ہے۔ انسانی مشیت پہلے ہوتی ہے کہ یہ کام کروں اس پر توفیق ایزدی ہوتی ہے جس سے اس کی مشیت کو قوت حاصل ہوتی ہے بعد ازاں انسان میں پھر ایک مشیت پیدا ہوتی ہے جو فعل کو قریب الوقوع بلکہ صادر کرتی ہے ہمارے اس دعویٰ کا ثبوت قرآن مجید سے سنیے۔ بیوی خاوند میں مصالحت کے لیے جو کمیشن مقرر ہوتا ہے ان کے حق میں فرمایا ہے: ﴿اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا﴾ (۳۵:۴) (یعنی بیوی خاوند میں اصلاح کرانے والے اگر واقعی اصلاح کا ارادہ کریں گے تو خدا ان کو توفیق دے گا۔)

مولانا فرماتے ہیں:

''اس آیت میں ارادہ انسانی پر اپنی توفیق کو مرتب فرمایا نیز فرمایا: ﴿مَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ﴾ (۱۸: ۲۹) جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ اس آیت میں انسانی مشیت پر ایمان اور کفر مرتب فرمایا ہے پس ان آیات سے دو امور ثابت ہوئے (۱) انسانی مشیت پر ایمان اور کفر مرتب ہے (۲) توفیق خدا کے بغیر اعمال خیر کا صدور نہیں ہوتا۔ نتیجہ صاف نکلتا ہے کہ انسانی مشیت کے بعد توفیق ہوتی ہے۔ توفیق کے بعد انسان عزم پختہ کرتا ہے اس پختہ عزم کے حق میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (۸۱: ۲۹) یعنی تم انسان کسی فعل پر پختہ ارادہ نہیں کر سکتے مگر جس وقت خدا توفیق دے۔ اس سے پہلی مشیت کی نفی نہیں ہوتی۔''[۴۲]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسراء و معراج کے بارے میں مفسر عقیدہ رکھتے ہیں کہ دونوں بیداری میں بجسدہ الشریف ہوئے ہیں اس کے انہوں نے بہت سے دلائل اور قرائن پیش کیے ہیں۔ اسراء جسدی کے ثبوت میں انہوں نے لفظ ''اسریٰ'' کو بھی اپنے دلائل میں ذکر کیا ہے۔ لغت سے اس لفظ کا معنی بیان کرنے کے بعد مفسر لکھتے ہیں:

''علاوہ ان لغوی شہادتوں کے خود قرآن مجید میں یہ لفظ کئی ایک جگہ آیا ہے، لطف یہ ہے کہ جہاں کہیں آیا ہے اسی محاورہ میں آیا ہے بالکل فرق نہیں ہوا۔ مقامات ذیل بغور ملاحظہ ہوں۔ ﴿فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ﴾ (۱۱:۸۱، ۱۵:۶۵) (ترجمہ فارسی): پس ببر کساں خود را پارہ از شب (ترجمہ اردو) سوئے نکل اپنے گھر والوں کو کچھ رات سے۔ ﴿وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ﴾ (۲۰:۷۷) (ترجمہ فارسی): وحی فرستادیم بسوئے موسیٰ کہ وقت شب ببر بندگان

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

مرا(اردو):اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو کہ لے نکل میرے بندوں کورات سے ﴿وَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی اَنْ اَسْرِ بِعِبٰدِیْ اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ﴾ (۵۲:۲۶)(فارسی)وحی فرستادیم بسوئے موسیٰ کہ بوقت شب روان کن بندگان مرا ہرائینہ شما تعاقب کردہ شوید(اردو):حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کورات کو لے نکل میرے بندوں کوالبتہ تمہارے پیچھے لگیں گے۔''

آگے لکھتے ہیں:''ان حوالجات سے پچھلے حوالوں میں ﴿اَسْرِ بِعِبَادِیْ﴾ کے ساتھ لیلا کا لفظ نہیں آیا اور اس کے سوا اوروں میں آیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جو صاحب قاموس نے کہا ہے کہ لیلا کا لفظ اسری کی تاکید ہے۔یہ ٹھیک ہے۔پس ان حوالجات سے جو ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط،حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے اتباع کے لے جانے کا حکم دیا جس سے مراد ان کو بیداری میں لے جانا ہے اس طرح اس آیت (اسری بعبدہ) میں مراد ہے۔یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ کا حالت بیداری میں جانا کیونکہ یہ دونوں لفظ ایک ہی ہیں۔حوالجات میں صیغہ امر کا ہے اور آیت اسراء میں صیغہ ماضی کا مگر مصدر دونوں کا ایک ہی اسراء ہے پھر معنی کے اتحاد میں کیا شک ہے۔''[۴۳]

مذکورہ بالا حوالہ جات میں اسری کے لفظ کی وضاحت قرآن مجید سے ہی بہت دلنشیں انداز میں پیش کی گئی ہے۔

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا﴾[۴۴] میں آنے والے لفظ اھل البیت کی مراد کی تعیین قرآن مجید سے کرتے ہوئے مفسر لکھتے ہیں:

''اس کے علاوہ قرآن شریف کا محاورہ ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر آدمی کی بیوی اہل بیت ہے۔حضرت ابراہیم u کے قصے میں بیان ہے کہ فرشتے نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری دی تو حضرت ممدوح کی بیوی نے اس پر حیرانی کا اظہار کیا۔فرشتے نے یہ حیرانی سن کر جواب دیا:﴿اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَ بَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ﴾ (۱۱:۷۳)''اے اہل بیت!خدا کی رحمت اور برکات تم پر ہوں۔تم اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہو۔''اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت''اہل بیت''ہوتی ہے۔''[۴۵]

مذکورہ بالا امثلہ سے عیاں ہوتا ہے کہ قرآنی لفظ کے معنی و مراد کو متعین کرنے کے لیے مفسر ممدوح نظائر قرآنی اور قرآنی بیانات کو مدنظر رکھتے ہیں۔

حدیث وسنت سے معنی ومفہوم کا تعین

حدیث وسنت قرآن مجید کا''بیان''ہے۔قرآن مجید کے بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں معلم

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

الکتاب نے قرآنی لفظ کے معنی کا تعین کر دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کردہ معنی ومفہوم سے انحراف کرنا درحقیقت مقام نبوت اور منصب رسالت کی ناقدری ہے۔ بعض آیات وہ بھی تھیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل زبان ہونے کے باوجود نہ سمجھ سکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وتفہیم سے ہی الفاظ کا مرادی معنی سمجھ سکے تھے۔ الفاظ قرآنیہ کے معنی کی تخصیص وتعمیم اور تقیید وتحدید حدیث وسنت سے ہوتی ہے۔ قرآن مجید "حمال ذو وجوه" کی تبیین کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو مدنظر رکھنا ناگزیر ہے۔ ایسے مفسرین انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جو تفسیر قرآن میں حدیث رسول کو اہمیت نہ دیتے ہوں اور درخور اعتنا نہ سمجھتے ہوں۔

جو لوگ تمام احکام شرعیہ کو قرآن ہی سے سمجھتے ہیں اور تفسیر قرآن میں حدیث کا کوئی عمل دخل نہیں مانتے ہیں ان کی تردید میں مولف تفسیر ثنائی نے ایک مستقل رسالہ دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن کے نام سے تصنیف کیا ہے۔ جس میں انہوں نے ببانگ دہل اعلان کیا ہے کہ "اہل قرآن" کہلوانے والے اپنے تمام مسلمہ احکام قرآن مجید سے نہیں دکھا سکتے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> "ان لوگوں کو مغالطہ یہ ہوا ہے کہ کہتے ہیں: جس طرح حکم کے الفاظ قرآن شریف میں ہیں اسی طرح ان احکام کی تعمیل کے لیے بھی الفاظ قرآن ہی میں ہونے چاہئیں حالانکہ یہ اصول ہی غلط ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ حکم کے لیے تو الفاظ ہوں لیکن ان احکام کی تعمیل کے الفاظ کا ہونا ضروری نہیں مثلاً قرآن مجید میں یہ حکم تو ہے کہ ﴿كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا﴾ (الاسراء ۱۷:۱۱۱) یعنی اللہ کی تکبیر پڑھو۔ اس حکم کے الفاظ تو قرآن مجید میں ہیں مگر اس حکم کی تعمیل جن لفظوں میں ہونی چاہیے وہ الفاظ قرآن میں نہیں نہ ان کا ہونا ضروری ہے۔"[۴۶]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾[۴۷] "تو کیا یہ اس سے بے خوف ہیں کہ اللہ کے عذاب سے کوئی آفت ان پر آ پڑے یا ان کی بے خبری ہی میں موت کی گھڑی ان پر آ جائے" (ثنائی ترجمہ)۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں مولانا مفسر نے السَّاعَةُ سے "موت کی گھڑی" مراد لی ہے اور اپنے تفسیری حاشیہ میں حدیث: **من مات فقد قامت قيامته**☆ کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔[۴۸]

صاحب تفسیر ثنائی کے نزدیک قرآنی حکم کی تخصیص حدیث نبوی، خواہ خبر واحد ہی کیوں نہ ہو، سے کرنا صحیح ہے۔ آیت میراث ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾[۴۹] کی تفسیر میں مفسر موصوف نے میراث نبوی کی تفصیل پیش کی ہے اور حدیث نبوی سے آیت مذکورہ کی تخصیص کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترکہ کی عدم تقسیم پر اعتراض کرنے والے حضرات کا مسکت جواب دیا ہے۔ میراث نبوی کی تقسیم میں

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو طریقہ کار یا موقف اختیار کیا تھا وہ عین حدیث رسول کے مطابق تھا۔ ورنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اس میں کیا مفاد تھا۔ نہ انہوں نے باغ فدک کو اپنے نام الاٹ کروایا اور نہ اپنے اہل وعیال کے نام لگوایا۔ بلکہ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترکہ کو ورثاء میں تقسیم کر دیتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی حصہ ملتا۔ اگر اہل تشیع بدگمانی کرتے ہوئے یہ دعویٰ کریں کہ محض ایذا رسانی مقصود تھی تو ان احادیث کا ان کے پاس قطعاً کوئی جواب نہیں ہوگا جن میں یہ آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی بلکہ جو مال ودولت وہ چھوڑ کر اس دار فانی سے کوچ کرتے ہیں وہ راہِ للہ صدقہ ہوتی ہے۔ اس معنی ومفہوم کی احادیث کی فریقین کی کتب حدیث میں موجود ہیں۔ صحیح بخاری میں ارشاد نبوی ہے: **نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا فھو صدقة** ☆ ''ہم انبیاء کی جماعت ہیں ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔''

اہل تشیع کی کتاب کلینی کی مرفوع اور موقوف حدیث دونوں طرح سے موجود ہے۔ مولانا ثناء اللہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تقسیم ترکہ کے اس طریقہ کار کے بارے میں لکھا:

> ''بقول شیعہ اہل بیعت کو محض تکلیف رسانی منظور ہو تو اس حدیث کا کیا جواب جو شیعوں کی مشہور کتاب کلینی میں ہے: عن ابی عبد اللہ قال ان العلماء ورثة الانبیاء ذلك ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشیء منھا اخذ حظا وافرا ''ابوعبداللہ کی روایت سے مرقوم ہے کہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں اس لیے کہ انبیاء درہموں اور دیناروں کا ورثہ نہیں چھوڑا کرتے وہ تو اپنی (علمی) باتوں میں سے باتیں ورثہ دیتے ہیں پس جس نے ان باتوں میں سے کچھ لیا اس نے بڑا ایک حصہ لے لیا۔'' (کلینی کتاب العلم) پس معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کی وجہ سے شیعوں کا رنج جناب صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اپنی بے خبری کا تقاضا ہے ورنہ دونوں گروہوں کی کتابوں میں اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ انبیاء کا ورثہ ان کی اولاد کو نہیں ملا کرتا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حدیث نبوی چونکہ مفسر قرآن ہے اس لیے اس کا یہ حق ہے کہ احکام عامہ قرآنی کے معنی بتلاتے ہوئے یہ بتلائے کہ اس عام کے سب افراد مراد ہیں یا بعض۔ اس تفسیر کو عرف اصول میں تخصیص کہتے ہیں۔''[۵۰]

حدیث سے قرآن کی تخصیص کا اصول بیان کرتے ہوئے مولانا موصوف لکھتے ہیں: عند جمھور العلماء اثبات الحکم فی جمیع ما یتناوله من الافراد قطعا ویقینا عند مشائخ العراق وعامة المتاخرین وظنا عند جمھور الفقھاء والمتکلمین وھو مذھب الشافعی

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

والمختار عند مشائخ سمرقند حتی یفید وجوب العمل دون الاعتقاد ویصح تخصیص العام من الکتاب بخبر الواحد والقیاس (تلویح) جمہور اور اکثر کا مذہب ہے کہ ظنی جو لوگ قطعی مانتے ہیں وہ تو آیات کے عام حکم کو حدیث خبر واحد سے تخصیص نہیں کرتے اور جو ظنی مانتے ہیں وہ خبر واحد سے بھی تخصیص جائز جانتے ہیں لیکن یہ اختلاف بھی ان کا اسی صورت میں ہے کہ عام کی تخصیص کسی حکم سے نہ ہو چکی ہو اگر تخصیص ہو چکی ہو تو پھر اس آیت کی تخصیص کر لینے میں مشکل نہیں۔

پس اس مسئلہ میں دونوں طرح سے بآسانی جواب ہو سکتا ہے۔ پہلا مذہب کہ عام قرآنی حکم کی تخصیص خبر واحد سے جائز ہے ہمیں اس موقع پر لینے کی کوئی خاص ضرورت نہیں گو ہمارے نزدیک بھی صحیح ہے۔ دوسرے مذہب پر بنا کر کے ہم جواب بآسانی دے سکتے ہیں کیونکہ آیت توریت مخصوص البعض ہے اس لیے خاص اس فرد میں تخصیص کرنا کسی طرح منع نہیں۔" [۵۱]

حدیث نبوی سے آیات قرآنیہ کی تخصیص کی مثالیں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المانع من الارث اربعة الرق وافرا کان او ناقصا والقتل الذی یتعلق به وجوب القصاص والکفارة واختلاف الدینین واختلاف الدارین اما حقیقة کالحربی والذمی او حکما کالمستامن والذمی والحربیین من دارین مختلفین (شرائع الاسلام۔ سرجی) باپ بیٹے میں سے ایک غلام ہو یا ایک دوسرے کا قاتل ہو یا ایک دو میں سے کافر ہو یا ایک دو میں سے اہل اسلام کی رعیت ہو اور دوسرا حربی کفار کی ہو تو وراثت نہیں ملتی حالانکہ آیت سب کو شامل ہے کیونکہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ "خدا تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے" پس جیسے یہ سب افراد اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اسی طرح نبی کی وراثت بھی مستثنیٰ ہے۔ دلیل اس تخصیص کی وہی حدیث ہے جو امام بخاری نے بروایت ابوبکر صدیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور کلینی نے بروایت عبداللہ ☆ موقوف و مرفوع بیان کی۔" [۵۲]

حدیث مبارکہ سے الفاظ قرآنیہ کی تخصیص و تعیین اور تفسیر و تشریح کے بارے میں مفسر اس حد تک گئے ہیں کہ حدیث سے تفسیر کو بھی درحقیقت قرآن سے تفسیر قرار دیتے ہیں۔ آیت وصیت ☆ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ میں نے "ایک آیت اور حدیث کو دوسری آیت کی تفسیر اور شرح بنایا ہے جو بالکل القرآن یفسر بعضه بعضا کے مطابق ہے۔" [۵۳]

سیاق و سباق سے معنی و مفہوم کا تعین

کثیر المعانی الفاظ کے معنی و مفہوم کو سیاق و سباق سے متعین کرنا نہایت ضروری ہے۔ قرآن مجید پر بہت

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

سے اشکالات اور شکوک وشبہات اسی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں کہ معانی کی تعیین کے وقت سیاق وسباق کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ مفسر قرآن علامہ عبدالرحمان بن ناصر سعدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"قرآنی آیات میں کوتاہ بین لوگوں کو تعارض (تضاد) نظر آتا ہے ان میں سے ہر قسم کی آیات کے مفہوم کو ان کے موقع ومحل کی مناسبت سے متعین کرنا ضروری ہے۔ یہ بات قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر نظر آتی ہے۔"[۵۴]

سیاق وسباق اپنے خیال سے بنانے کی بجائے موجود سیاق وسباق پر دقت نظر ڈال کر الفاظ معانی ومفاہیم کو متعین کیا جاسکتا ہے۔ اکثر مفسرین نے سیاق وسباق کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت سے تفسیری نکات اپنی تفاسیر میں بیان کیے ہیں۔ بطور نمونہ چند مفسرین کے نکت تفسیر یہ درج ذیل عنوانات کے تحت بیان کیے جاتے ہیں:

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنی تفسیر کے بعض مقامات پر سیاق وسباق سے معنی متعین کرنے کی صراحت ووضاحت کی ہے اور ان لوگوں کی بڑی شد ومد سے تردید کی ہے جو سیاق وسباق سے کاٹ کر الفاظ کے معانی مراد لیتے ہیں۔ بالخصوص مذاہب باطلہ (قادیانیت، عیسائیت وغیرہ) کے رد میں آپ نے سیاق وسباق کو نمایاں کیا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴾[۵۵] "تو کیوں نہ کوئی بستی ایمان لائی ہوتی جس کو ایمان سے نفع بھی ہوتا مگر یونس کی قوم جب وہ ایمان لا چکے تو ہم نے یہ ذلت کا عذاب اس سے دنیا میں دور کر دیا اور ایک وقت تک ان کو آسودگی سے متمتع کیا۔" مرزا قادیانی کی تحدیانہ پیش گوئیاں جب غلط ہوگئیں تو اس نے یونس علیہ السلام کی قوم کا سہارا لیا۔ اس کے پیروکار بھی اسی کا سہارا لیتے ہیں کہ قوم یونس علیہ السلام کو عذاب کا وعدہ دیا تھا مگر ان کے ڈر جانے سے عذاب ٹل گیا۔ اسی طرح مرزا صاحب نے بھی جس جس کے بارے میں موت کی پیش گوئی کی تھی اس کے ڈر جانے سے اگر ٹل گیا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟ مفسر موصوف اس کے جواب میں سیاق وسباق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ایسا کہنا سیاق قرآنی کے صریح خلاف ہے۔ قرآن مجید کی اسی آیت میں صاف مذکور ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم جب ایمان لائی تو ان پر سے کفر کی سزا ہٹ گئی تو یہ بدیہی ہے کہ ایمان لانے کے معنے یہ ہیں کہ اس نبی کو خدا کا مرسل سمجھیں اور اس کی مخالفت چھوڑ کر اس کا اتباع کریں۔ ہم مانتے ہیں کہ ایسا ایمان موجب نجات ہوتا ہے لیکن کیا مرزا صاحب کے مخالف جن کے حق میں ان کی پیشین گوئیاں تھیں، ایسا ایمان لائے کیا عبداللہ آتھم (عیسائی) ایمان لایا تھا؟ کیا منکوحہ آسمانی کا ناکح اپنے فعل سے تائب ہوا تھا؟ وغیرہ، ہرگز نہیں۔ پھر حضرت یونس علیہ

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

السلام کے قصے کو کیا تعلق؟ جو کچھ اس قصے میں ہے ہمیں مسلّم ہے اور جو ہے وہ ان کو مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔"[۵۶]

﴿وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ﴾[۵۷] "اورانہوں نے اسے بہت کم داموں یعنی چند درہموں پر بیچ دیا" کی تفسیر میں شَرَوْا کے فاعل کے بارے میں لکھتے ہیں:

جن مفسروں کی رائے ہے کہ یہ بیچنے والے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی تھے صحیح نہیں کیونکہ خداوند تعالیٰ نے ایک طرف بیچنے والوں کا ذکر کیا ہے تو ساتھ ہی خریدنے والوں کا قول نقل کیا ہے اور یہ تو یقینی امر ہے کہ مشتری مصری تھا پس ضرور ہے کہ بیع مصر میں ہوئی ہوگی نیز سیاق کلام میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا ذکر بھی نہیں۔ فافہم[۵۸]

سورۃ سبا کے شروع میں یعلم، عالم الغیب اور لا یعزب عنه وغیرہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں آئے ہیں ☆ اور پھر کتاب مبین کے الفاظ ہیں۔ جن سے مولانا نے علم الٰہی مراد لیا ہے۔ لکھتے ہیں: چونکہ سیاق وسباق علم الٰہی کے بیان میں ہے اس لیے غالب گمان ہے کہ کتاب مبین سے مراد علم الٰہی ہے۔[۵۹]

﴿اِنِّـی اَرٰی فِـی الْـمَنَامِ اَنِّی اَذْبَحُكَ﴾[۶۰] میں مخاطب کون ہے؟ مولانا کا موقف ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام مذکورہ بالا آیت میں مخاطب نہیں ہو سکتے کیوں کہ ان کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے، مفسر مرحوم لکھتے ہیں:

> "اس میں اختلاف ہے کہ یہ (ذبیح) لڑکا کون تھا۔ اسماعیل یا اسحاق۔ فریقین کے اپنے اپنے خیالات ہیں اور اپنے اپنے دلائل مگر یہ آیت قرآنی فیصلہ کرتی ہے کہ یہ لڑکا اسماعیل تھا۔ کیونکہ انہی آیتوں میں اسحاق کا ذکر ذبیح لڑکے کے بیان کے بعد آتا ہے۔ جس کا شروع یوں ہے: ﴿وَبَشَّـرْنٰـهُ بِاِسْحَاقَ نَبِيًّا﴾ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حلیم اور ذبیح لڑکا اسماعیل تھا اور اسحٰق الگ ہے جس کو اس قصہ پر عطف کے ساتھ بیان فرمایا۔"[۶۱]

جنوں کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہے: ﴿يَـعْـمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ﴾[۶۲] "جو کچھ وہ (سلیمان علیہ السلام) چاہتا اس کے لیے قلعے، نقشے، بڑے بڑے حوضوں کی مانند پیالے اور بھاری بھاری دیگیں بناتے" تَمَاثِيْلَ کا لفظ عربی زبان مورتوں، مجسّموں اور نقشوں وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے مولانا موصوف نے سیاق وسباق کی روشنی میں اس کو "نقشوں" کے معنی میں لیا ہے، لکھتے ہیں:

> "تَمَاثِيْلَ جمع ہے تمثال کی۔ تمثال سے مراد اس جگہ نقشے ہیں جو جنگی ضرورتوں کے لحاظ سے کبھی تو

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

اپنے ملک میں جنگی عمارات بنانے کے لیے بناتے ہیں کبھی دوسری سلطنتوں کی جنگی عمارات کے ملاحظہ اور جانچنے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے تماثیل کے معنی مورتیں اور تصویریں لے کر کہا ہے کہ اس زمانے میں تصویریں بنانی جائز تھیں مذہب اسلام میں منع ہوگئیں جن کی ممانعت کا ثبوت حدیثوں میں ہے ان کا یہ کہنا سیاق آیت کے برخلاف ہے کیونکہ سیاق آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان سلام اللہ علیہ کی مضبوطی اور سامان جنگ کا بیان کرنا مقصود ہے پھر ایسے موقع پر محاریب یعنی قلعوں کے ساتھ تصویروں کو کیا مناسبت ہوسکتی ہے؟''[۶۳]

﴿وَ یَسْـئَلُوْنَكَ عَنِ الـرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْـرِ رَبِّـیْ﴾ [۶۴] میں سیاق وسباق کی روشنی میں مولانا موصوف نے روح سے مراد قرآن لیا ہے اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے اس کے صحیح ہونے کا سبب سیاق وسباق کو قرار دیتے ہوئے ہوئے لکھتے ہیں:

''کیونکہ اس آیت سے پہلے بھی قرآن شریف کا ذکر ہے ﴿وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ﴾ اور اس کے ساتھ بھی یہی مذکور ہے: ﴿وَ لَـئِنْ شِـئْـنَـا لَـنَـذْهَبَـنَّ بِـالَّذِیْٓ اَوْحَیْـنَـآ اِلَیْكَ﴾ (۱۷:۸۶)۔ ان قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں الروح سے مراد قرآن شریف ہے کیونکہ تعلیم قرآنی کا سیاق اسی مضمون میں ہے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ روح کے معنی قرآن کے بھی ہیں؟ قرآن مجید میں کئی ایک جگہ ہے۔ ﴿كَـذٰلِكَ اَوْحَیْـنَـآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ (۴۲:۵۲)، ﴿یُـلْـقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ﴾ (۴۰:۱۵)۔ اسی قسم کی کئی ایک آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ خدائی الہام اور قرآن مجید بھی روح ہے کیوں کہ روح بدنی باعث حیات جسمانی ہے تو یہ روح بھی باعث حیات روحانی ہے۔''[۶۵]

اسی قسم کی اور بھی بیسویں مثالیں موجود ہیں جہاں موصوف سیاق وسباق کی روشنی میں معنی ومفہوم کی تعین کرتے ہیں۔[۶۶]

الفاظ کے نزولِ قرآن کے وقت کے معانی ومفاہیم مراد لینا

الفاظ سے جو معنی ومفہوم نزول قرآن کے وقت عرب سمجھتے تھے، الفاظ قرآنی کا وہی معنی معتبر ہوگا۔ جن الفاظ کے معانی میں تطور ہوا ہے یا وقت کے ساتھ ساتھ ان کے مدلولات بدل گئے ہیں ان پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ قدیم عربی (نزول قرآن کے وقت کی عربی) اور جدید عربی میں الفاظ کے معانی کا فرق مدنظر رکھنا بہت اہمیت کا حامل ہے مثلاً لفظ قـریة کا ترجمہ آج کل دیہات کیا جاتا ہے مگر نزول قرآن کے وقت شہروں کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا تھا۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

''قریة لغت میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انبوہ ہو۔ قریة النمل: چیونٹیوں کا بھون۔ آبادی مردم۔ متاخرین نے بلدہ، مصر اور قریہ میں اصطلاحی فرق کر لیے ہیں۔ قرآن مجید میں ان الفاظ کو مترادف معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔''[٦٧]

قدیم وجدید معنی میں فرق کی ایک مثال لفظ ''اللبن'' بھی ہے۔ متقدمین کے ہاں دودھ کے معنی میں استعمال ہوتا تھا جبکہ متاخرین عرب اس لفظ کو آج کل دہی کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس لفظ کو دودھ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا﴾[٦٨] آج اگر کوئی شخص عربوں کے سامنے یہ لفظ بولے تو وہ اس سے ''دہی'' ہی مراد لیں گے (دودھ کے لیے آج کل عربوں کے ہاں حلیب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے) ایک پاکستانی عالم دین حج وعمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے سعودی عرب گئے۔ وہ چائے بنانے کے لیے دودھ لینے کے لئے دودھ دہی کی دکان پر گئے اور دکاندار سے لبن مانگا، اس نے دہی دے دیا۔ عالم صاحب نے اس کو چیک کئے بغیر ابلتے ہوئے پانی میں چائے بنانے کی خاطر ڈال دیا مگر وہ پھٹ گیا۔ دکاندار سے دودھ خراب ہونے کی شکایت کرتے ہیں اور دوبارہ متبادل لبن لے آتے ہیں۔ دوسری مرتبہ بھی ایسے ہی ہوا۔ ازاں بعد ان پر یہ بات منکشف ہوئی کہ وہ دہی کو لبن کہتے ہیں نہ کہ دودھ کو۔ لہٰذا قرآنی الفاظ کے صحیح معانی وہی ہوسکتے ہیں جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے۔

چند مقامات میں جہاں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بالصراحت یہ لکھا ہے کہ الفاظ کے وہی معانی مراد لیے جائیں جو عرب اپنے فہم کی وجہ سے لیتے تھے۔ اس سلسلے کی دو تین مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

اصحاب الکھف کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ لَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَ ازْدَادُوْا تِسْعًا﴾[٦٩] ''اور وہ اپنی غار میں تین سو نو سال تک رہے۔'' سِنِیْنَ سے مراد قمری سال ہیں یا شمسی؟ مولانا مفسر کے نزدیک یہاں سِنِیْنَ سے قمری سال مراد ہیں شمسی سال مراد نہیں ہوسکتے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''قمری کی قید اس لیے لگائی ہے کہ عرب میں قمری حساب ہی تھا۔ قرآن شریف میں دوسری جگہ یہی ارشاد ہے: ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ﴾ (۱۸۹:۲) یعنی اے رسول تو ان لوگوں سے کہہ چاند لوگوں کے حساب کے لیے کم وبیش ہوتا ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ شمسی حساب سے تین سو اور قمری حساب سے نو زائد یہ قول غلط ہے۔ قرآن شریف تو خود بتلاتا ہے اور عرب میں رواج بھی یہی تھا کہ سالوں کا حساب قمری مہینوں سے تھا پھر قرآن میں اس کے

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

برخلاف حساب کیوں آنا تھا علاوہ اس کے تفصیل کے لیے (کہ تین سو شمسی اور تین سو نو قمری) کوئی اشارہ بھی نہیں۔''[۷۰]

شجرة الزقوم (تھوہر کا درخت) کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ﴾[۷۱] ''وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہہ سے نکلتا ہے اس کے پھل شیطانوں کے سر ہیں۔'' رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ سے مفسر کے نزدیک مراد نہایت قبیح منظر ہیں اور یہ معنی انہوں نے فہم عرب کے مطابق کیا ہے' لکھتے ہیں: عرب کریہ المنظر چیز کو رأس الشيطان کہتے ہیں۔[۷۲]

سید احمد خان سے مخاطب ہو کر فرشتوں کے وجود کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

''آپ اگر انصاف سے غور کریں اور قرآن کو اس طور سے پڑھیں جس طور سے عرب کے رہنے والے سیدھے سادے، جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا تھا، پڑھتے اور سمجھتے تھے۔ انہیں کی لغت پر بھروسہ کریں تو مطلب بالکل صاف ہے اور اگر امنت بالله کو بی بی آمنت کا بلا بتلادیں تو خیر، دیکھو تو کیسے صریح لفظوں میں فرشتوں کا ثبوت ملتا ہے۔ قال عزمن قائل: ﴿جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ﴾ (۳۵:۱) سر سیّد اور ان کے اتباع بتلائیں اور ہماری معروضہ بالا گزارش کو زیر نظر رکھیں کہ ملائکہ کا رسول ہونا بلکہ پر دار ہونا بھی ثابت ہے یا نہیں؟ اس پر بھی آپ بے پر کی اڑائیں تو اختیار۔''[۷۳]

حقیقی و مجازی معنی کے فرق کو ملحوظ رکھنا

ہر زبان میں اکثر الفاظ اپنے حقیقی معنی میں اور بعض اپنے مجازی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ حقیقی معنی مراد لیتے وقت مجازی معنی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا مثلاً اسد کا حقیقی معنی ''شیر'' مراد لیا جائے تو بہادر ہونے کا مفہوم از خود اس میں آ جائے گا۔ البتہ مجازی معنی مراد لیتے وقت حقیقی معنی یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ کسی بزدل انسان کو اگر ابن آوی یا سرحوب کہا جائے تو اس سے جنگلوں اور فصلوں میں رہنے والا گیدڑ ہرگز مراد نہیں ہوسکتا۔

تفسير الكلام بما يرضى به قائله وہی ہو سکتی جس میں یہ انداز اختیار کیا جائے کہ جہاں لفظ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے وہاں حقیقی معنی ہی مراد لیا جائے اور جہاں مجازی معنی میں آیا ہو وہاں اسے مجازی قرار دیا جائے۔ حقیقی اور مجازی معنی کا فرق ملحوظ خاطر نہ رکھنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے بعض قرآنی آیات کی وہ تفسیر کی ہے جو تفسير الكلام بما لا يرضى به قائله کے زمرے میں آتی ہے۔ ہاں اگر مذکورہ بالا اصول کو تفسیر کرتے وقت سامنے رکھا جائے تو تفسیر کہنے والے کی منشا کے مطابق ہوگی۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

سید احمد خان صاحب جو کہ معجزات انبیاء کی تاویل کرتے تھے جب بھی قرآن میں کسی پیغمبر کے معجزے کے ذکر آتا تو وہ اس کے الفاظ کو مجاز قرار دے کر ایسی تفسیر کر ڈالتے جو بما لا یرضی به قائله کے زمرہ میں آتی ہے۔ مولانا ثناء اللہ نے سید احمد خان کی ایسی تاویلات بلکہ تحریفات کا خوب ابطال کیا ہے۔ سید احمد خان معجزات کی تاویل سپر نیچرل (Super Natural) کہہ کر کرتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے عصا اور ید بیضا کے واقعات کو انہوں نے مجاز اور تمثیل قرار دیا ہے۔ صاحب تفسیر ثنائی کے نزدیک کسی لفظ کے حقیقی معنی چھوڑنے اور مجازی معنی مراد لینے کی قوی دلیل ہونی چاہیے، لکھتے ہیں: کاش! یہاں اصلی معنی چھوڑنے کی دلیل بتلائی ہوتی۔[۴]

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ﴾[۵] ''اور جب تو میرے حکم سے مردوں کو نکالتا تھا۔'' Super Natural سے انکار کے عقیدہ کی وجہ سے سرسید اس آیت کریمہ میں الموتی سے مراد کفار لیتے ہیں۔ یعنی مجازی طور پر کافروں کو موتی (مردے) کہا گیا ہے۔ اور اس دعویٰ پر آیت ذیل سے استدلال کیا ہے: ﴿اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَ مَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ﴾ (۲۲:۳۵) مطلب یہ ہے کہ ان آیتوں میں جیسا موتی اور اموات سے مراد کفار ہیں اسی طرح ﴿اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی﴾ میں کفار مراد ہیں۔'' مولانا ثناء اللہ لکھتے ہیں:

> ''افسوس سید صاحب زندہ ہوتے تو ہم بڑے ادب سے ان سے دریافت کرتے کہ اگر واقعی یہی مضمون ادا کرنا ہوتا کہ بے جان مردوں کو زندہ کرتا تھا تو کس عبارت اور کن لفظوں میں ادا کیا جاتا۔ سیّد صاحب کا کوئی مرید ہمیں وہ عبارت بتلا دے تو ہم ان کے مشکور ہوں گے۔ سیّد صاحب کو اس سے تو کوئی مطلب ہی نہیں کہ حقیقت کیا ہوتی ہے اور مجاز کیا۔ اگر کہیں شیر کے معنے قرینہ سے بہادر کیے جائیں تو بلاقرینہ بھی سید صاحب جہاں مطلب ہو وہی معنی لینے کو وہی موقع پیش کر دیتے ہیں۔''[۶]

ابراہیم علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ءَ اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰٓاِبْرٰهِیْمُ﴾[۷] ''اے ابراہیم! ہمارے معبودوں سے یہ حرکت تو نے کی ہے؟'' تو ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ کَانُوْا یَنْطِقُوْنَ﴾[۸] ''بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہے۔ اگر بول سکتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔'' مولانا موصوف لکھتے ہیں:

> ''یہاں سوال ہوا کرتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس بت کو فاعل کیوں بنایا؟ اس کا جواب یہ ہے

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

کہ اس کو فاعل بنانا نسبت کی حیثیت سے مجاز ہے جیسا کہ استاد داغ نے کہا ہے۔

مجھے کھٹکا ہوا تھا جب بناء کعبہ پڑی تھی   کہ یہ جھگڑے میں ڈالے گا بہت گبر و مسلماں کو

یعنی جھگڑے کا سبب بنے گا۔ ۷۹

بت کو فاعل بنانے کی نسبت کی حیثیت کو مجاز قرار نہ بھی دیا جائے تو بھی کوئی اشکال نہیں مگر شرط یہ ہے کہ مقصود نگاہ میں ہو۔

سرسیّد احمد خان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسراء و معراج دونوں کے جسمانی ہونے کو تسلیم نہیں کرتے۔ جن علماء نے لفظ ''عبد'' کو معراجِ جسمانی کی دلیل بنایا ہے ان کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں:

''اگر خدا نے یوں فرماتا اسریت بعبدی فی المنام...... تو کیا اس وقت بھی یہ لوگ کہتے کہ عبد میں جسم و روح دونوں شامل ہیں......اسی طرح سرسید پوچھتے کہ کیا ﴿یٰاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا﴾ ﴿اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا﴾ اور ﴿اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا﴾ وغیرھا آیات میں اِنّی میں جسم و روح دونوں شامل ہیں؟''

جواب میں مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

''اگر اَسْرَیْتُ بِعَبْدِیْ فِی الْمَنَامِ ہوتا تو ہم بے شک خواب سمجھتے کیونکہ اس کلام کا ترجمہ صاف ہوتا کہ میں اپنے بندے کو نیند کی حالت میں لے گیا۔ نیند کا لفظ اس مجاز کے لیے قرینہ ہوتا کہ یہاں عبد سے مراد روح العبد ہے نہ کہ کامل عبد۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی لڑکے کو ھذا ابنی (یہ میرا بیٹا ہے) کہے تو کچھ شک نہیں کہ اس کلام سے اس لڑکے کی ابنیت پر استدلال ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر یوں کہے: ھذا ابنی فی التلمذ (یہ میرا بیٹا شاگردی کا ہے یعنی شاگرد ہے) تو اس سے اس لڑکے کی ابنیت پر استدلال نہ ہوگا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہ آئے گا کہ پہلا استدلال بھی غلط ہے بلکہ وہ بھی صحیح ہے اور یہ بھی صحیح کیونکہ وہ بلا قرینہ حقیقت پر محمول ہے۔ بحکم علامۃ الحقیقۃ التبادر اور دوسری مثال میں قرینہ مجاز موجود ہے۔''۸۰

دوسرے اشکال کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ایسا ہی حضرت یوسف علیہ السلام کی گفتگو میں بھی رویت عین ہی مراد ہوتی مگر ان کے باپ نے جب جواب میں کہا کہ ﴿لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ﴾ (۵:۱۲) ''اے میرے بیٹے اپنا خواب بھائیوں کو مت سنائیو'' تو قرینہ مجاز پایا گیا۔ چنانچہ آپ نے بھی ص ۹۹ پر اس لفظ کو قرینہ مجاز تسلیم کیا ہے جس کی پوری عبارت آگے آتی ہے پس روئت عین نہ رہی بلکہ خواب ہوگیا۔ اسی طرح

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

قیدیوں کے بیان میں جب یہ لفظ پایا گیا ﴿نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ﴾ (۱۲:۳۶) ''اے یوسف! ہم کو اس کی تعبیر بتلا'' تو معلوم ہوا کہ یہ رویت عین نہیں بلکہ رؤیا منام (خواب) ہے۔ غرض جہاں کہیں رؤیت خواب کے معنی میں آئے گا وہاں پر کوئی نہ کوئی قرینہ ضرور ہوگا۔''[۸۱]

مشہور و ظاہر معنی کو ترجیح

قرآن مجید میں بکثرت الفاظ ایسے ہیں جو کثیر المعانی ہیں۔ ان الفاظ کے بعض معانی تو عربی زبان میں مشہور اور ظاہر ہیں جبکہ بہت سے الفاظ ایسے بھی ہیں جن کے کئی معانی میں سے بعض معانی قلیل الاستعمال ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کی تفسیر کرتے وقت اور الفاظ کا معنی متعین کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ الفاظ کا مشہور اور ظاہر معنی مراد لیا جائے۔ مشہور اور ظاہری معنی کو ترک کرنے کے شواہد و قرائن موجود ہوں تو مشہور اور ظاہر معنی کو ترک کر دیا جائے گا۔ مشہور اور ظاہر معنی مراد لینے کی بہت سی مثالوں کی مفسرین نے نشاندہی کی ہے۔

تفسیر ثنائی میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ مفسر نے مشہور اور ظاہر معنی کو اختیار کرنے کے موقف کو نمایاں کیا ہے بلکہ بعض مواقع پر انہوں نے ایسا معنی بھی مراد لیا ہے جو جمہور مفسرین کے نکتہ نظر سے مختلف ہے۔ مگر اس لیے اسے ترجیح دی کہ وہ اس لفظ کا مشہور اور ظاہر معنی تھا۔

﴿فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ﴾[۸۲] میں موت سے مراد موت ہی ہے کیونکہ یہی اس کا ظاہری اور مشہور معنی ہے۔ مولانا اسی لیے لکھتے ہیں: قرآن کریم سے اتنا تو بوضاحت ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے ان کو مار کر پھر زندہ بھی کیا۔[۸۳] اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ ﴿رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى﴾[۸۴] کی روشنی میں انہوں نے سرسید کے نظریہ (کہ یہ رؤیت قلبی اور منامی تھی) کی تردید کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہاں رؤیت اپنے اصلی اور حقیقی مفہوم میں ہے۔[۸۵]

﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا﴾[۸۶] کا ترجمہ مولانا مفسر نے یوں کیا ہے: ''جس وقت تم کو کوئی تحفہ دے تو اس کے تحفہ سے اس کو اچھا تحفہ دو یا اسی جیسا دیا کرو'' اس معنی کے بارے میں مفسر موصوف لکھتے ہیں:

> ''جن مفسرین نے تحیۃ کے معنی السلام علیکم کے کیے ہیں ہمارے معنی ان کے خلاف نہیں بلکہ اس کو بھی شامل ہیں اور وہ اس میں داخل، لفظی معنی یہی ہیں جو ہم نے کیے ہیں۔[۸۷]

یہاں مولانا نے تحیہ کا جو ظاہر اور مشہور معنی تھا اس کو اختیار کیا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾[۸۸] کے الفاظ استعمال کیے

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ہیں۔ مولانا موصوف نے رفع کا مشہور اور ظاہری معنی مراد لیا ہے مگر جو لوگ رفع مسیح کے قائل نہیں انہوں نے یہ مشہور معنی تسلیم نہیں کیا۔ مولانا مفسر لکھتے ہیں:

> ''ہمارے مخاطب کہتے ہیں کہ رفع سے مراد رفع درجات ہے رفع جسم نہیں، ہم کہتے ہیں اگر رفع سے مراد رفع درجات ہو تو یہودیوں کے قول کی مخالفت کیا ہوئی جو لفظ بل سے ہونی چاہیے تھی۔ بھلا یہودیوں نے اگر مسیح کو سولی دیا ہو تو رفع درجات نہیں ہوسکتا۔ جبکہ شہداء کی بابت عام طور پر قرآن بلندی مراتب کی خبر دیتا ہے بلکہ غور کیا جائے تو ان معنی سے ﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ (۱۵۴:۲) یہودیوں کے قول کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اگر مسیح کو واقعی انہوں نے صلیب دیا ہو تو کون نہیں جانتا کہ یہ صلیب مسیح کو صرف دینداری کی وجہ سے ملی ہوگی جس سے ان کے درجات کی بلندی ہر طرح سے ظاہر و باہر ہے۔''[۸۹]

کسی لفظ کا ظاہری اور مشہور معنی اگر نص قرآنی کے خلاف ہو تو اس کو مراد نہیں لیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ﴾[۹۰] اور ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ﴾[۹۱] جیسی آیات کا ظاہری مطلب لے کر اہل زیغ نکتہ چینی کرتے ہیں۔

مولانا لکھتے ہیں:

> ''اس قسم کی آیتوں کا مطلب حسب محاورہ زبان صاف ہونے کے علاوہ خود قرآن شریف میں اس کا قرینہ بھی موجود ہے پہلی آیت کا قرینہ یہ ہے کہ خود خدا نے فرمادیا: ﴿وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ (۶۴:۱۹) ''تیرا رب کسی کو بھولتا نہیں'' اس سے معلوم ہوا کہ نَسِيَهُمْ اپنے ظاہری معنے پر نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں کہ خدا نے بھی ان کو اس بھول کی سزا دی۔ دوسری آیت کے معنی سمجھنے کو بھی قرآن مجید میں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (۱۱:۴۲) (کہ خدا کی مثل اور مشابہ کوئی چیز نہیں) موجود ہے۔ پس آیت موصوفہ کے معنی بالکل صاف ہیں کہ لوگ جو کچھ تیرے ساتھ معاملہ کرتے ہیں چونکہ تو ہمارا رسول ہے اس لیے وہ دراصل ہمارے ہی ساتھ ہے۔ بیعت کے وقت تیرا نہیں گویا خود خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے اس میں کیا اعتراض ہے۔''[۹۲]

لفظ کا شرعی معنی و مفہوم

قرآن مجید میں جن الفاظ کو شرعی اصطلاحات کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ ان میں لغوی مفہوم بھی کسی نہ کسی حد تک موجود ہوتا ہے۔ لیکن شریعت میں وہ لفظ جس معنی میں استعمال ہوتا ہے اس کو اس معنی میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ عربی لغت سے استدلال کے مثبت رجحان میں یہ بات نمایاں ہے کہ اس اصول کو مدنظر رکھا

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

جائے۔ بہت سے مفسرین نے اس کی پاسداری کی ہے۔

مؤلف تفسیر ثنائی نے لفظ کے مختلف معانی میں سے صرف اسے ہی اختیار کیا ہے جو اس لفظ کا شرعی مفہوم تھا۔ یہ بات آپ کے ثنائی ترجمہ سے بھی ظاہر ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل آیت کریمہ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: ﴿وَ لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ [۹۳] ''اور ان میں کسی پر نماز جنازہ کبھی نہ پڑھیو اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑا ہوں۔'' [۹۴]

عربی لغت سے استدلال اور تفسیر عقلی

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے عقلی استدلالات سے باطل فرقوں کا ابطال کیا ہے۔ نظائر قرآنی وغیرہ کی روشنی میں انہوں نے عقلی استدلالات بھی کیے ہیں۔ اس سلسلے کی تین مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ﴿يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ﴾ [۹۵] میں آنے والے لفظ تماثیل سے نقشے مراد لیتے ہیں۔ اس کی عقلی توجیہ پیش کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

''نقشے کبھی اپنے ملک میں عمارات ضروریہ بنانے کے لیے بنائے جاتے ہیں اور کبھی دوسری سلطنت کے قلعوں پر آگاہ ہونے کے لیے بناتے ہیں۔ ایسے ہی دوسری چیزیں ☆ کھانے پکانے کے لیے اس زمانے کے دستور کے مطابق ہوں گی۔ غرض جو کچھ اس آیت میں مذکور ہے یہ سب ملک داری کی حیثیت سے ہے۔ تصویروں کی ملک داری میں نہ اس وقت ضرورت تھی نہ اب ہے پس جو لوگ اس آیت سے تصویر سازی اور تصویر داری کا ثبوت نکالتے ہیں ان کا قول بھی چونکہ تماثیل کے مذکور ترجمہ اور تفسیر پر مبنی ہے اس لیے صحیح نہیں۔'' [۹۶]

آریہ وغیرہ نے ملائکہ کے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کو شرک قرار دیا ہے اور یہ اعتراض کیا ہے کہ قرآن بت پرستی اور شرک کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شیطان نے توحید کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ مولانا ثناء اللہ نے ملائکہ کے سجدہ کو عبودیت کی بجائے تعظیمی سجدہ قرار دیا ہے۔ اس سجدہ کے بارے میں عقلی توجیہات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ: ''ایک تعظیمی سجدہ تھا جس کو دوسرے لفظوں میں سلام تعظیم کہتے ہیں اس لیے کہ اگر یہ عبادت ہوتا تو شیطان اپنی معذوری اور جواب دہی میں ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ (۳۸:۷۶) نہ کہتا بلکہ صاف کہتا کہ جناب والا یہ کیا انصاف ہے۔ کہ ہمیں ایک طرف تو شرک سے روکا جاتا ہے اور دوسری طرف اسی شرک کی تعلیم ہوتی ہے کیونکہ وہ بڑا ہی شیطان ہے اسے تو یہ عذر ضرور ہی سوجھنا

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

چاہیے تھا جبکہ اس کے شاگردوں کو ایسی سوجھتی ہے کہ پناہ بخدا۔ تو پھر استاد کو ایسی کیوں نہ سوجھی بلکہ اس نے تو ایک معنی سے یہ سجدہ خود ہی جائز سمجھا کیونکہ وہ اپنے رکنے کی وجہ یہ بتلا رہا ہے کہ میں اس سے اچھا ہوں۔ اس لیے اسے سجدہ نہ کروں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آدم کو جو اس کے خیال میں اس سے ادنیٰ تھا۔ اس کو سجدہ کرنے کا حکم ہوتا تو شیطان کو اپنے لیے سجدہ کروانے میں کسی طرح کا تامل نہ ہوتا اور نہ تعلیم توحید اس سے مانع ہوتی۔ پس ان دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ یہ سجدہ سجدۂ عبادت نہ تھا بلکہ محض ان معنے میں تھا جیسے کسی سردار یا نواب کو ماتحت ایک خاص وقت میں حاضر ہو کر سلام کیا کرے۔ جس سے اس سردار کی رفعت اور ماتحتوں کی وفاداری کا ثبوت ہوتا ہے، جو شیطان کو پسند نہ آیا۔"[97]

فرشتے نے حضرت مریم کو بیٹے کی بشارت دی، جس پر حضرت مریم نے یہ کہا: ﴿اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَکُ بَغِیًّا﴾[98] ان کے جواب میں فرشتے کا ﴿قَالَ کَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ﴾[99] وغیرہ الفاظ کہنا اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ یہودیوں کا حضرت مریم پر الزام یہ تھا کہ اس کا بچہ ناجائز ہے۔ عیسیٰ علیہ اسلام کے جواب کی روشنی میں مولانا مفسر اعتراض کی ماہیت کو عقلی طور پر ثابت کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

"اگر سید صاحب کا خیال (کہ مسیح بطریق متعارف پیدا ہوئے تھے ٹھیک ہو تو کچھ شک نہیں کہ یہ جواب طول طویل مریم کے استبعاد کے متعلق نہیں ہوسکتا بلکہ "سوال از آسمان جواب از ریسمان" کا مصداق ہے۔ پھر مریم کے بچہ کو اٹھا لانے کے وقت قوم کا طعن مطعن شروع کرنا اور طعن میں ایسے الفاظ بولنا جو اس پاک دامن کی عصمت میں خلل انداز ہوں یعنی "نہ تیرا باپ زانی تھا نہ تیری ماں بدکار زانیہ تھی" صاف ثابت کرتا ہے کہ حضرت مسیح کی ولادت کے وقت یہودیوں کا گماں فاسد ناجائز طور پر مولود پیدا ہونے کا تھا۔ جس کو حضرت مسیح نے اپنے جواب میں دفع کیا کہ میں خدا کا نبی ہوں' مجھے اس نے کتاب دی ہے اس لیے کہ بموجب کتب بنی اسرائیل (کتاب استثناء باب کی ۲ آیت) حرامی بچہ دس پشت تک خدا کا نبی نہیں ہوسکتا۔ میں جب نبی ہوں تو حرامی کیسے ہوسکتا ہوں؟

افسوس کہ سید صاحب نے اس جواب پر غور نہیں کیا اس لیے جھٹ سے اعتراض جما دیا کہ: "اگر اس وقت یہودیوں کی مراد اس سے تہمت بدنسبت حضرت مریم کے اور ناجائز مولود ہونے کی نسبت حضرت عیسیٰ کی ہوتی تو ضرور حضرت عیسیٰ اپنے جواب میں اپنی اور اپنی ماں کی بریّت اس تہمت سے ظاہر کرتے۔" (جلد دوم صفحہ ۳۷، ۳۸ طبع جدید صفحہ ۳۳)"[100]

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

خلاصۂ بحث

تفسیر القرآن میں عربی سے استدلال کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ تمام ادوار میں مفسرین نے عربی لغت سے استدلال کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ لغت سے استدلال کے صحیح منہج کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے قرآنی الفاظ کے معانی کا تعین کیا جائے، اور اس سلسلے میں آیات یا الفاظ قرآنی کے معانی میں جہاں جہاں تسامحات کا ارتکاب ہوا ہے ان کی نشاندہی کی جائے۔

تفسیر ثنائی کے بالاستیعاب مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآنِ مجید کو ذوقِ عربیت اور عربی محاورات کے مطابق سمجھنا چاہیے۔

اگر کسی لفظ کا معنیٰ و مفہوم قرآن سے متعین ہوتا ہو تو اسے قرآن سے کرنا چاہیے۔

مولانا امرتسری کے نزدیک حدیث حجتِ مستقلہ اور قطعیہ ہے، جو لوگ اسے حجت نہیں مانتے وہ ان کے موقف کی تغلیط کرتے ہیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کئی مقامات پر احادیث سے الفاظِ قرآنی کے معانی کی قرآنِ مجید سے تعیین کرتے ہیں۔

قرآنِ مجید کلامِ مرتبط ہے۔ سیاق وسباق کو مدِ نظر رکھ کر الفاظِ قرآنی کی تفسیر کرنی چاہیے۔

الفاظِ قرآنی کے وہ معانی جو نزولِ قرآن کے وقت متداول بین العرب تھے وہی اختیار کیے جانے چاہئیں، کیونکہ وہی قائل کی منشا کے مطابق ہیں۔

اسی طرح مولانا ثناء اللہ امرتسری کا موقف ہے کہ حقیقی معنیٰ کو مجازی معنی پر ترجیح دینی چاہیے۔

لفظ کے غیر ظاہر معنی پر حقیقی معنی کو فوقیت ہوتی ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری کا موقف ہے کہ قرآنِ مجید کو شرعی اصطلاحات کے مطابق سمجھنا چاہیے۔ لفظ کا شرعی معنیٰ مقدم ہونا چاہیے۔ تاہم ان کے نزدیک لفظ کا لغوی معنیٰ کسی نہ کسی اعتبار سے شرعی معنیٰ میں داخل ہوتا ہے۔

عقل اور مشاہدہ کی بنا پر جن لوگوں نے قرآن کی لغوی تفسیر کے قواعد سے انحراف کیا ہے ان کی منہجی غلطی کی نشاندہی بھی مولانا ثناء اللہ امرتسری نے کی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن ۱/ ۱۱۹، مکتبۃ الغزالی، دمشق، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

۲۔ ایضاً   ۳۔ جامع البیان (تفسیر الطبری) ۱/۱۲، دار المعارف، مصر

۴۔ ابو بکر احمد بن علی الجصاص، احکام القرآن ۲/ ۵۶۔۵۷، ۵۴۳، سہیل اکیڈمی، لاہور۔

۵۔ التفسیر الکبیر ۱/۱۶۲، ط:۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

۶۔ الجامع لاحکام القران ۱/۱۴۳۔۱۴۴،۱۵۹،دارالکتب المصریۃ،ط:۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء

۷۔ تفسیر بیضاوی (انوار التنزیل و اسرار التاویل) ص:۴۳۔۴۵،آزاد بک ڈپو،اردو بازار،لاہور

۸۔ تفسیر ابن کثیر ۱/۴۴،۲/۴۳،۱۷۴۔۱۷۲،۲/۴۴۷،مکتبہ قدوسیہ،اردو بازار،لاہور،ط:۲۰۰۳ء

۹۔ جلال الدین سیوطی،قطف الازھار ۱/۱۴۳۔۱۴۴،ط:۱،ادارۃ الشئون الاسلامیۃ،قطر

۱۰۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر،ص:۵۴۔۵۵،مکتبہ قرآنیات،اردو بازار،لاہور

۱۱۔ فتح البیان فی مقاصد القرآن ۱/۱۴،مطبعۃ العاصمۃ،شارع الملکی،قاہرہ،ط:۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

۱۲۔ صدیق حسن خان قنوجی، نیل المرام من تفسیر ایات الاحکام (اردو) ص:۲۵۴،ادارہ تحقیقاتِ سلفیہ گوجرانوالہ ۱۳۔ ابو محمد عبدالحق حقانی،فتح المنان ۱/۹،۱۶،۲۵،۴/۱۰،المکتبۃ العزیزیۃ اردو بازار لاہور۔

۱۴۔ مفتی محمد تقی عثمانی،اشرف التفاسیر ۱/ ۶۷، ط: ۱۴۲۵ھ،ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان،مولانا اشرف علی تھانوی،بیان القرآن (مقدمہ)،ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۱۵۔ مفتی محمد شفیع،معارف القرآن ۵/ ۳۳۹،ط:۱۴۰۴ھ،ادارۃ المعارف دارالعلوم کراچی

۱۶۔ تفہیم القرآن ۳/۱۱۹،ادارہ ترجمان القرآن،لاہور،ط:۱۹۸۴ء

۱۷۔ امین احسن اصلاحی،تدبر قرآن (مقدمہ) ص: ب۔ج،ھ،۱/ ۶،ط:۳،۱۹۷۶ء،مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن،لاہور

۱۸۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن ۱/۱۱۱۔۱۱۲،۲۳۴۔۲۳۶،ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔

۱۹۔ مولانا ثناءاللہ امرتسری،بیان القرآن علی علم البیان ۱/۵۴ (حاشیہ)،ط:۱۹۳۴ء،ثنائی پریس امرتسر۔تفسیر ثنائی ص: ۸ ب،ثنائی اکیڈمی،میکلورڈ روڈ، لاہور،تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن ص: ۳۵۔ ۳۷، ط: ۱،۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲، دارالسلام،ریاض

۲۰۔ حافظ عنایت اللہ وزیر آبادی، آیات للسائلین،ص:۱۲۷،ط:۱۹۱۹ء،کریمی پریس لاہور

۲۱۔ مولانا ثناءاللہ امرتسری:بیان الفرقان علی علم البیان ۱/۵۴ (حاشیہ)،ط:۱۹۳۴ء،ثنائی پریس امرتسر

۲۲۔ مولانا ثناءاللہ امرتسری:تفسیر ثنائی ص:۸ب،ثنائی اکادمی میلوڈ روڈ لاہور ۲۳۔ الاعراف ۷:۵۴

۲۴۔ تفسیر ثنائی ص:۱۸۷۔۱۹۰ (حاشیہ) ۲۵۔ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن ص:۳۵۔۳۷

۲۶۔ ایضاً،ص:۳۶ (حاشیہ) ۲۷۔ یوسف ۱۲:۶

۲۸۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری،الجمال والکمال (تفسیر سورہ یوسف) ص:۷۰،ط:۲۰۰۴،مکتبہ اسلامیہ اردو بازار لاہور

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

۲۹ الفرقان ۲۵:۸　　۳۰ تفسیر ثنائی، ص:۴۳۱　　۳۱ الاسراء:۱۷:۴۷

۳۲ ایضاً ص:۳۴۳　　۳۳ المؤمنون ۲۳:۱۰۴

۳۴ ایضاً ص:۴۱۷　　۳۵ القصص ۲۸:۳۸　　۳۶ الرحمٰن ۵۵:۲۶، ۲۷

۳۷ الصفّٰت ۳۷:۹۷　　۳۸ تفسیر ثنائی، ص:۵۴۰　　۳۹ التغابن ۶۴:۶

۴۰ ایضاً ص:۶۷۰　　۴۱ الدھر ۷۶:۳۰　　۴۲ تفسیر ثنائی ص:۷۰۱

۴۳ ایضاً ص:۸۱۱　　۴۴ الاحزاب ۳۳:۳۳

۴۵ تفسیر ثنائی، ص:۸۲۱　　۴۶ تفسیر ثنائی، ص:۵۰۴　　۴۷ یوسف ۱۲:۱۰۷

☆ جو فوت ہو گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔ (اسماعیل بن محمد عجلونی، کشف الخفاء و مزیل الالباس ۲/۳۶۸، ط:۲، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء، مؤسسة الرسالة، بیروت)

۴۸ دیکھیے تفسیر ثنائی، ص:۲۹۶　　۴۹ النساء ۴:۱۱

☆ بخاری میں ان الفاظ سے حدیث نہیں ملی البتہ **لا نورث ما ترکنا فھو صدقة** کے الفاظ موجود ہیں۔ (دیکھیے کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باب مناقب قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم...... ح:۳۷۱۲)، بخاری میں دیگر مقامات پر **لا نورث ما ترکنا صدقة** کے الفاظ ملتے ہیں۔ (کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ح:۷۳۰۵، کتاب الفرائض ح:۶۷۲۶، ۶۷۲۷، ۶۷۲۸، کتاب فرض الخمس، ح:۳۰۹۳، ۳۰۹۴، کتاب النفقات، ح: ۵۳۵۸، سنن النسائی میں بھی **لا نورث ما ترکنا صدقة** کے الفاظ ہیں (۷/۱۳۶)، البتہ مسند احمد میں یہ الفاظ موجود ہیں: **انا معشر الانبیاء لا نورث ما ترکت بعد مئونة عاملی ونفقة نسائی صدقة** (۲/۴۶۳)

۵۰ تفسیر ثنائی ص۹۳-۹۴/ صحیح مسلم میں **لا نورث ما ترکنا صدقة** کے الفاظ ہیں۔ (کتاب الجھاد والسیر، ح:۵۱، ۵۲، ۵۴، ۵۶)

۵۱ تفسیر ثنائی، ص:۹۴　　☆ عبداللہ کی بجائے ابو عبداللہ ہونا چاہیے جیسا کہ اوپر بیان کردہ روایت میں گزرا ہے۔　　۵۲ ایضاً ص:۹۴-۹۵　　☆ البقرۃ ۲:۱۸۰　　۵۳ تفسیر ثنائی ص:۵۲۷

۵۴ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی: فہمِ قرآن کے زرّیں قواعد (القواعد الحسان لتفسیر القران)، ص:۴۴، ط:۲۰۰۶ء، الفیصل، اردو بازار، لاہور　　۵۵ یونس ۱۰:۹۸　　۵۶ تفسیر ثنائی، ص:۲۶۲

۵۷ یوسف ۱۲:۲۰　　۵۸ تفسیر ثنائی، ص:۲۸۳

☆ سبا ۳۴:۲-۳　　۵۹ تفسیر ثنائی، ص:۵۱۳

۶۰ الصافات ۳۷:۱۰۳　　۶۱ تفسیر ثنائی، ص:۵۴۱　　۶۲ سبا ۳۴:۱۳

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

۶۳ تفسیر ثنائی ص: ۵۱۹، ۵۲۰   ۶۴ الاسراء ۱۷: ۸۵   ۶۵ تفسیر ثنائی ص: ۳۴۸

۶۶ دیکھیے: ایضاً، ص: ۹۵ـ۹۶، ۲۵۵، ۳۸۰ـ۳۸۱، ۶۲۶، ۶۵۴، ۷۴۱ـ۷۴۲، ۷۵۰، ۷۵۸، ۷۶۳، ۸۲۰

۶۷ الجمال والکمال: ۲۲۱   ۶۸ النحل ۱۶: ۶۶   ۶۹ الکھف ۱۸: ۲۵

۷۰ تفسیر ثنائی، ص: ۳۵۴   ۷۱ الصافات ۳۷: ۶۴ـ۶۵   ۷۲ تفسیر ثنائی، ص: ۵۳۷

۷۳ ایضاً، ص: ۷۴۰   ۷۴ تفسیر ثنائی ص: ۷۸۸   ۷۵ المائدۃ ۵: ۱۱۰

۷۶ تفسیر ثنائی، ص: ۷۸۴   ۷۷ الانبیاء ۲۱: ۶۲   ۷۸ ایضاً: ۶۳

۷۹ تفسیر ثنائی، ص: ۳۹۱   ۸۰ ایضاً، ص: ۸۱۱   ۸۱ ایضاً

۸۲ البقرۃ ۲: ۲۴۳   ۸۳ تفسیر ثنائی ص: ۷۵۳   ۸۴ اٰل عمران ۳: ۲۶۰

۸۵ تفسیر ثنائی، ص: ۷۵۴   ۸۶ النساء ۴: ۸۶   ۸۷ تفسیر ثنائی، ص: ۱۰۹

۸۸ النساء ۴: ۱۵۸   ۸۹ تفسیر ثنائی، ص: ۷۶۳   ۹۰ التوبۃ ۹: ۶۷

۹۱ الفتح ۴۸: ۱۰   ۹۲ تفسیر ثنائی، ص: ۶۰   ۹۳ التوبہ ۹: ۸۴

۹۴ تفسیر ثنائی، ص: ۲۳۹   ۹۵ سبا ۳۴: ۱۳   ☆وجفان کالجواب وقدور رٰسیٰت

۹۶ تفسیر ثنائی، ص: ۵۲۰   ۹۷ تفسیر ثنائی، ص: ۷۴۰   ۹۸ مریم ۱۹: ۲۰

۹۹ ایضاً: ۲۱   ۱۰۰ تفسیر ثنائی، ص: ۷۵۸

☆☆☆☆☆☆☆

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.